ابوظفیر محمد ندیم ظہیر

نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلٰوۃ والسلام علی رسولہ الأمین ، أما بعد:

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے سے متعلق دو موقف ہمارے ہاں معروف وعام ہیں:

* عام نماز کی طرح دونوں طرف سلام پھیرنا۔
* صرف دائیں جانب ایک سلام پھیرنا۔

ہم اپنے اس مضمون میں طرفین کے دلائل کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ جو موقف ہمارے نزدیک راجح ہے اس کی نشاندھی بھی کریں گے۔ ان شاءاللہ

۱) دونوں طرف سلام پھیرنا اور اس کے دلائل:

نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے والے اپنے تئیں ایک ہی روایت کو حجت سمجھتے ہیں اور اس مسئلے میں بطورِ دلیل اسی روایت کو پیش بھی کرتے ہیں اور وہ درج ذیل ہے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: "ثَلَاثُ خِلَالٍ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُنَّ، تَرَكَهُنَّ النَّاسُ، إِحْدَاهُنَّ: التَّسْلِيْمُ عَلَى الْجِنَازَةِ مِثْلُ التَّسْلِيْمِ فِي الصَّلَاةِ" (المعجم الكبير للطبراني ١٠/ ١٠٠ ح ١٠٠٢٢، السنن الكبرٰی للبیهقي ٤/ ٤٣ واللفظ له)

اس روایت پر اصول محدثین کی روشنی میں چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں جنھیں ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

* حماد بن ابی سلیمان مختلط ہیں

۱: امام احمد رحمہ اللہ نے حماد کو مختلط قرار دیا ہے۔

(سوالات ابی داود: ۳۳۸، سوالات ابی بکر الاثرم ص ۱۲۰)

۲: امام ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی انھیں مختلط کہا۔

(الطبقات الکبریٰ ٨/ ٤٥٢)

۳: امام ابوداود رحمہ اللہ بھی حماد کو مختلط ہی سمجھتے تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے واضح ہے: "قُلت: هشام كيف سماعه؟ قال: قديم" یعنی ہشام کا حماد سے سماع کیسا ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: قدیم ہے۔ (سوالات أبي داود ص۱۱۹)

۴: امام ابوبکر الاثرم کے سوال سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ حماد بن ابی سلیمان کو مختلط سمجھتے تھے۔

(سؤالات أبي بكر الأثرم ص ١٢٠)

۵: علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لا یقبل من حدیث حماد إلا ما رواہ عنہ القدماء: شعبة وسفیان الثوري والدستوائي وماعدا ھؤلاء رواہ عنه بعد الإختلاط“ حماد سے وہی حدیث قبول کی جائے گی جو ان کے پہلے شاگرد: شعبہ، سفیان ثوری اور (ہشام) دستوائی بیان کریں اور جو ان کے علاوہ ہیں انھوں نے ان سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ۱/ ۱۱۶)

ہماری زیر بحث روایت بھی حماد کے بعد از اختلاط ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ زید بن ابی انیسہ نے حماد سے قبل از اختلاط سنا ہو۔ ہمارے بعض احباب نے جمع تفریق کر کے ابن ابی انیسہ کو قدیم تلامذہ میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس فن میں دلیل کے بغیر جمع تفریق کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ محدثین کی جماعت سے ثابت کیا جائے کہ زید بن ابی انیسہ نے حماد بن ابی سلیمان سے ان کے اختلاط سے پہلے سنا، إذ لیس فلیس .

۷: امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”قال لي حماد بن أبي سلیمان: یا شعبة لا توقِفْني علی إبراھیم فإن العھد قد طال ، وأخاف أن أنسی أو أکون قد نسیت“ حماد بن ابی سلیمان نے مجھ سے کہا: اے شعبہ! مجھے ابراہیم پر موقوف نہ کرو،

کیونکہ زمانہ طویل گزر چکا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ میں بھول جاؤں یا بھول ہی چکا ہوں۔

(تقدمة الجرح والتعديل ص١٦٥ وسنده صحيح)

علامہ عبدالرحمٰن معلّمی رحمہ اللہ اس قول کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:"إذا قلت: قال إبراهيم أو نحو ذلك، فلا تسألني: أسمعته من إبراهيم أم لا؟ فيتبين بهذا أنه قد كان يقول: "قال إبراهيم" ونحوه فيما لا يتحقق أنه سمعه من إبرهيم. " یعنی جب میں کہوں ابراہیم نے کہا، یا اس طرح کا کلام تو سوال کر کے مجھے ٹوکا نہ کرو کہ آیا تو نے ابراہیم سے سنا بھی ہے یا نہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حماد بن ابی سلیمان بعض اوقات وہاں بھی "قال إبراهيم" وغیرہ کہہ دیتے جہاں انھیں سماع متحقق نہ ہوتا۔ (التنكيل ٢/ ٣١)

حماد بن ابی سلیمان کے اپنے کلام اور علامہ معلّمی رحمہ اللہ کی توضیح سے حماد کی تخلیط و تدلیس عیاں ہے۔

مذکورہ دلائل کے مقابلے میں بعض احباب یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اختلاط سے مراد حماد کی جنون اور مرگی کی بیماری تھی۔ (بغية أهل الحاجة...... ص ٣٥، ٣٦)

قطع نظر اس کے کہ مغیرہ اور معمر کے اقوال کی استنادی حیثیت

کیا ہے، یہ تاثر درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ امام احمد رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر جمہور محدثین اختلاط اور عام بیماری میں فرق کرنے سے قاصر رہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ علاوہ ازیں مرگی کی بیماری اور اختلاط دو علاحدہ علاحدہ امر ہیں انھیں ایک سمجھنا خلط مبحث کے علاوہ کچھ نہیں۔ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے محض اقوال ذکر کیے ہیں نہ تقابل کیا اور نہ کوئی توضیح بیان فرمائی ہے۔ باقی یہ کہنا کہ ''ان کی روایتوں میں تخلیط ان سے روایت کرنے والے رواۃ کے سوء حفظ کی بنا پر ہے۔''

(بغية أهل الحاجة...... ص٣٨)

تو یہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت خود حماد بن ابی سلیمان کو سوئے حفظ سمجھتی ہے، چنانچہ فضیلۃ الشیخ ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے بھی حماد بن ابی سلیمان کو مختلط اور سيء الحفظ قرار دیا ہے۔ دیکھئے بذل الاحسان (١/١٩٣)

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تو واضح لکھا: ''امام صاحب کی حماد سے یہاں روایت میں سند اور راوی کے نام میں اختلاف حماد کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔'' (مقالات ٣/١٣١)

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے بھی حماد کو سوء حفظ قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل ٣/١٤٧)

مذکورہ بالا اقوال کی رُو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیط حماد سے

روایت کرنے والے رواۃ کی بنا پر نہیں بلکہ خود ان کے سی ء الحفظ ہونے کی وجہ سے ہے۔

* حماد عن ابراہیم پر اہل علم کی خاص جرح

۱: امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ”حدثنا عثمان بن عثمان، قال أخبرنا البَتِّي قال: كان حماد إذا قال برأيه أصاب، وإذا قال قال إبراهيم، أخطأ.“

یعنی حماد جب اپنی رائے سے کہیں تو درست اور جب ”قال إبراهيم“ کہیں تو غلطی کرتے ہیں۔

(العلل ومعرفة الرجال ١/ ٤٠٤ ت ١٩٥٣ وسنده صحيح، مسائل حرب الكرماني ٣/ ١٣١٢)

عثمان بن عثمان کی طرح حماد بن سلمہ نے بھی عثمان بن مسلم البتی سے یہی نقل کیا کہ ”كان حماد بن أبي سليمان إذا قال برأيه أصاب وإذا حدث عن إبراهيم أخطأ.“ (كتاب الضعفاء للعقيلي ٢/ ١٥٠ وسنده حسن)

یہ الفاظ اسی طرح درج ذیل کتب میں بھی موجود ہیں:

۱: المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/ ٢٩٣)

۲: التاريخ الكبير للبخاري (٦/ ٢٤٣)

۳: تهذيب الكمال للمزي (٧/ ٢٧٦)

۴: المنتخب من علل الخلال لابن قدامة المقدسي (٢٤٤)

۵: شرح علل الترمذي لابن رجب (٢/ ٨٣٥) وغیرہ

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حماد عن إبراهيم'' کے واسطہ سے ان کا فتویٰ جو کتاب الآثار میں ہے، نقل کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔''حماد إذا قال برأيه أصاب، وإذا قال: قال إبراهيم أخطأ.'' کہ حماد رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی رائے سے کہیں تو درست ہوتا ہے اور جب ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کریں تو غلطی کرتے ہیں۔یہی بات امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔''

(مقالات ٣/ ١٣٩)

اس خاص جرح کی تائید خود حماد بن ابی سلیمان کے اپنے قول سے بھی ہوتی ہے جو ہم سابقہ سطور میں مقدمہ جرح وتعدیل (ص١٦٥) کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں، لہٰذا ہماری زیر بحث روایت اس خاص جرح کی وجہ سے بھی ضعیف ہی ٹھہرتی ہے۔شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''واضح ہو محدثین عظام رحمہم اللہ نے حماد بن ابی سلیمان پر خاص طور پر اس کی ابراہیم نخعی سے روایت بیان کرنے میں کلام کیا ہے۔''

(مقالات راشدیہ ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷)

اہم تنبیہ: طبقات ابن سعد (۴۵۲/۸) کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”وكان حماد إذا قال برأيه أصاب وإذا قال عن غير إبراهيم أخطأ.“

اس روایت کو بنیاد بنا کر ہمارے ایک بھائی نے لکھا: ”اگر حماد کے اختلاط کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کو ابراہیم کے علاوہ دیگر کی روایات پر محمول کیا جائے گا۔“

پیارے بھائی! یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب طبقات ابن سعد کی روایت درست ہوتی، جبکہ یہ شاذ یا سہو پر مبنی ہے۔ جمہور اہل علم اسے ”غیر“ کے بغیر ہی بیان کر رہے ہیں، علاوہ ازیں سلام ابی المنذر اپنے سے اوثق حماد بن سلمہ اور عثمان بن عثمان دو راویوں کی بھی مخالفت کر رہا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں ”غیر“ کا اضافہ درست نہیں اور یہ روایت شاذ ہے جو لائق حجت و استدلال نہیں۔

نیز لکھتے ہیں: ”شاید اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم کی روایت جو حماد بیان کرے محفوظ کہا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کم از کم اس وجہ سے تو محفوظ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انھوں نے خود اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں یہی قول نقل فرمایا ہے کہ ”كان حماد إذا قال برأيه أصاب وإذا قال عن

إبراهيم أخطأ" (۲۳۴/۶)

یہ بھی یاد رہے کہ کسی محدث کا حدیث کو محض صحیح یا حسن کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں موجود علت قادحہ غیر قادحہ بن جاتی ہے، کیونکہ اس کی کئی وجوہ ہیں:

۱: بعض اوقات علت قادحہ محدث سے اوجھل بھی رہ سکتی ہے۔

۲: محدث کے پیشِ نظر کوئی اور صحیح یا حسن لذاتہ حدیث بھی ہوتی ہے۔

۳: اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو جمہور محدثین کے نزدیک علت قادحہ ہو وہ اس ایک محدث کے نزدیک نہ ہو، وغیرہ۔

ہمارے بھائی نے العلل الکبیر (۴۰۴) سے ایک روایت نقل کی جس کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب قول: "أرجو أن يكون محفوظًا" مذکور ہے اور اسی سے انھوں نے اپنے خودساختہ موقف کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔

اس سے قطع نظر کہ العلل الکبیر کی نسبت امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف درست ہے یا نہیں، اگر ہمارے بھائی متصل بعد والی روایت بھی پڑھ لیتے تو انھیں "أرجو أن يكون محفوظًا" کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وسألت محمدًا عنه، يعني حديث الحسن عن علي بن أبي

طالب "رُفع القلم" الحديث فقال: الحسن قد أدرك عليًّا وهو عندي حديثٌ حسنٌ." (العلل الكبير: ٤٠٥)

اس مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو محفوظ "حماد عن إبراهيم" طریق کو درست تسلیم کر کے نہیں کہا، بلکہ حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کہا ہے جو ان کے نزدیک حسن درجے کی ہے۔ واللہ اعلم

موصوف مزید لکھتے ہیں: ''اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حماد کی روایات عن ابراہیم کو ذکر فرما کے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔''

تو عرض ہے کہ یہ کوئی اصولی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم ایسی صورت میں نقد کرتے آئے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: "وغفل ابن حبان والحاكم عن علته فصححاه" ابن حبان اور حاکم اس کی علت سے غافل رہے تو ان دونوں نے اسے صحیح قرار دے دیا۔

(نتائج الافکار ۱/۱۰۲)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "في إسناده محمد بن إسحاق وهو مدلس وقد رواه عن عبد الرحمٰن بن الأسود معنعنًا فكيف يكون إسناده حسنًا

أو صحيحًا وتساهل الترمذي والحاكم مشهور".

(ابكار المنن في تنقيد آثار السنن ص ٤٩٥)

یعنی علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے علت قادحہ کے مقابلے میں حاکم کی تصحیح اور امام ترمذی کی تحسین رد کر دی، ہماری زیر بحث روایت میں بھی خاص جرح کے مقابلے میں عام تصحیح لائق التفات نہیں۔

موصوف نے حماد کی روایت کو اختلاط سے پاک کرنے کے لیے ایک عذر یہ پیش کیا کہ "ابراہیم کی روایات کو یاد رکھنے کی وجہ شاید یہی ہے کہ حماد ان کی روایات کو لکھتا تھا، اور اختلاط یسیر والا راوی اس عارضہ سے قبل جب روایات لکھتا ہو...... غلطی کا احتمال جاتا رہ گیا۔"

عرض ہے کہ آپ کی مذکورہ بات کو قدرے حیثیت اسی صورت میں مل سکتی تھی جب حماد، ابراہیم سے صرف وہی روایات بیان کرتا جو تحریر شدہ تھیں، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لکھی ہوئی تو درکنار حماد، ابراہیم سے وہ روایات بھی بیان کرتا تھا جو سرے سے اس نے سنی ہی نہیں ہوتی تھیں۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں: امام شعبہ رحمہ اللہ کا بیان ہے، مجھے حماد نے ابراہیم سے ایک روایت بیان کی تو میں نے پوچھا: "من أخبرك؟ سمعتَ هذا من إبراهيم؟ آپ سے کس نے بیان کی؟ کیا آپ نے یہ ابراہیم سے خود سنی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: (پھر)

آپ سے کس نے بیان کی؟ (حماد نے) کہا: مجھے منصور نے بیان کی ہے۔ (شعبہ نے) کہا: تو میں نے منصور کے پاس آکر کہا: مجھے حماد نے آپ کے ذریعے سے ابراہیم کی روایت بیان کی ہے، کیا آپ نے ابراہیم سے سنی ہے؟ (منصور نے) کہا: نہیں، مجھے تو مغیرہ نے ابراہیم سے بیان کی ہے، پھر میں مغیرہ سے ملا، میں نے کہا: آپ نے ابراہیم سے یہ اور یہ بیان کیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے کہا: آپ نے ان سے سنا ہے؟ کہا: نہیں، مجھے تو حماد نے بیان کی۔ (امام شعبہ رحمہ اللہ نے) کہا: میری بڑی خواہش تھی کہ میں یہ جان سکوں، سب سے پہلے یہ روایت بیان کرنے والا کون ہے؟ لیکن میرے لیے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ (آداب الشافعي ومناقبه لابن أبي حاتم ص ١٦٧، ١٦٨ وسنده صحيح)

اس ایک واقعہ سے حماد عن ابراہیم کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ موصوف نے شاید لاعلمی میں کمزور بنیاد پر عمارت کھڑی کرنے کا سوچ لیا ہے۔

ہمارے محترم بھائی نے ایک عذر مزید کشید کرنے کی کوشش فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''حماد کا ابراہیم کے حوالے پختہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد لوگ ابراہیم سے صادر شدہ فتاویٰ جات ان ہی سے پوچھتے تھے۔''

یہ بھی طفل تسلی سے بڑھ کر کچھ نہیں، کیونکہ روایت بیان کرنے اور فقہی احکام و مسائل بیان کرنے میں فرق ہے۔

حماد بن ابی سلیمان کے بارے میں تو بعض محدثین خود تفریق کر کے انھیں فقہ میں ثابت اور روایت میں غیر ثابت قرار دے چکے ہیں، چنانچہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: "ھو صدوق ولا یحتج بحدیثه وھو مستقیم فی الفقه وإذا جاء الآثار شوش" یعنی صدوق ہے، حدیث میں حجت نہیں، البتہ فقہ میں مستقیم ہے اور جب روایت بیان کرتا ہے تو گڈ مڈ کر دیتا ہے۔

(الجرح والتعدیل ۳/ ۱٤۷، ۱٤۸)

شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''لیث کا استاد حماد بن ابی سلیمان ہے وہ بھی ضعیف و مجروح راوی ہے، ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صدوق ہے اس کی حدیث قابل حجت نہیں وہ فقہی روایات کو بیان کرنے میں مستقیم ہے۔''

(مقالات راشدیہ ۳/ ۴۰۶)

موصوف نے اس سلسلے کا آخری عذر یہ تراشا کہ ''حماد کا ابراہیم سے اس روایت میں پختہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابراہیم خود بھی دو طرف سلام پھیرتا تھا۔''

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''مگر اس رائے کے

برعکس علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "عمل العالم أو فتياه على وفق حديث ليس حكمًا منه بصحة ذلك الحديث" "عالم کا عمل یا اس کا حدیث کے مطابق فتویٰ اس کی طرف سے حدیث پر صحت کا حکم نہیں ہے۔" سیدھی سی بات ہے کہ جب کسی عالم و مجتہد کا صحیح حدیث کے خلاف قول و عمل اس کو مستلزم نہیں کہ وہ حدیث اس کے نزدیک ضعیف ہو تو اس کا عمل اس کی صحت کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے؟ کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس حدیث کے علاوہ بھی کوئی خارجی دلیل اس کی موید ہو جیسے یہ کہ اجماع یا قیاس اس کا مؤید ہو۔ اس بنا پر مجتہد نے اس حدیث پر عمل کیا ہو یا اس سے استدلال کیا ہو، بلکہ بعض ائمہ کرام وہ بھی ہیں جو ضعیف حدیث کو قیاس سے مقدم جانتے ہیں، جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے......" (اعلاء السنن فی المیزان ص ۴۹)

علاوہ ازیں موصوف یہ بھی یاد رکھیں کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے جنازے میں ایک سلام پھیرنا بھی ثابت ہے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۵۰۰ ح ۱۱۴۹۶ وسندہ صحیح)

اب کیا خیال ہے اس خود ساختہ "دلیل" کے بارے میں؟

* حماد بن ابی سلیمان مدلس ہیں

اس روایت پر ایک اعتراض یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ حماد مدلس

ہیں اور سماع کی صراحت نہیں۔ اس کے جواب میں بعض حضرات کا کہنا ہے، چونکہ یہ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں، لہٰذا ان کا عنعنہ مضر نہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جواب درست نہیں، کیونکہ طبقات کی یہ تقسیم کسی بھی دور میں حتمی یا حرفِ آخر نہیں سمجھی گئی۔ مثلاً: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سفیان الثوری کو طبقہ ثانیہ کا مدلس قرار دیتے ہیں، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے صدیوں پہلے گزرنے والے محدث امام عثمان بن سعید الدانی (متوفی ۴۴۴ھ) رحمہ اللہ نے انھیں طبقہ ثالثہ میں قرار دیا۔

دیکھئے کتاب بیان المسند والمرسل والمنقطع (ص ۹۵، ۹۶)

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اسے حرفِ آخر نہیں سمجھتے تھے۔ یحییٰ بن ابی کثیر کو طبقات المدلسین میں طبقہ ثانیہ میں درج کیا اور اسی بنا پر ان کی روایت پر کلام بھی کیا، چنانچہ محدث محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ شکوہ کناں ہیں: ''متقدمین کو تو چھوڑیں، لیکن متاخرین میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں گھوڑے کی حلت والا مسئلہ بیان کرتے وقت ایک روایت میں یہ علت پیش کی ہے کہ اس میں یحییٰ بن ابی کثیر جو مدلس ہے۔ حالانکہ یحییٰ بن ابی کثیر دوسرے درجے کا مدلس ہے۔'' نیز لکھتے ہیں: ''اسی طرح تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر حدیث العینۃ کے بارے میں جس کو طبرانی اعمش کے طریق سے لائے ہیں۔ اس طرح الاعمش عن عطاء عن ابن عمر کہتے

ہیں، گو کہ اس حدیث کو ابن القطان نے ذکر کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے تاہم یہ حدیث معلول ہے، کیونکہ "لأنه لا یلزم من کونه رجاله ثقات أن یکون صحیحًا لأن الأعمش مدلس ولم یذکر سماعه من عطاء" یعنی کسی حدیث میں سب رجال کا ثقہ ہونا اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں اعمش ہے اور انھوں نے عطاء سے سماع کی تصریح نہیں کی ہے یعنی "عن" سے روایت کی ہے حافظ کے طبقات المدلسین سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمش بھی دوسرے درجے کا مدلس ہے......"

(مقالات راشدیہ ۹/۵۱)

اسی طرح ابن جریج کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کثیر التدلیس کی وجہ سے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے، جبکہ فتح الباری (۵/ ۸، ۴۱۶) میں "ربما دلس" قرار دیا ہے۔

اگر یہ طبقاتی تقسیم حتمی یا حرفِ آخر ہوتی تو اہل علم کبھی اس کی مخالفت نہ کرتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان طبقات کے برعکس بھی علماء نے فیصلے صادر فرمائے ہیں، مثلاً: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کو تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے، لیکن معاصرین کی ایک جماعت انھیں طبقہ ثالثہ میں ماننے کو تیار ہی نہیں۔ درج ذیل سطور میں بعض ان معروف اہل علم کا ذکر کیا جاتا ہے جنھوں نے حافظ ابن

حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم سے اختلاف کیا ہے:

ا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سفیان الثوری رحمہ اللہ کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، جبکہ علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ ایک روایت کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"وأیضًا فیها سفیان الثوري وهو مدلس وقد عنعنه."

(صیانة الإنسان عن وسوسة الشیخ دحلان ۱/ ۳۰۰)

۲: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، جبکہ محدث العصر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"اس میں اعمش ہے جو مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے جو نا قابل استدلال ہے۔"

(دوامِ حدیث ص ۵۱۷)

۳: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، جبکہ شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ ایک روایت کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تیسری یہ ہے کہ ابراہیم نخعی مدلس ہے (كما لا یخفی علی الماهر بالأصول)"(مقالات راشدیہ ۳/ ۸۱)

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ ان مذکورہ مثالوں کے علاوہ بیسیوں مثالیں محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اپنے مقالات (۴/ ۱۶۸) میں بیان کر چکے ہیں۔ وللہ الحمد

جب سرے سے یہ طبقاتی تقسیم ہی مختلف فیہ ہے تو طبقہ ثانیہ کے مدلسین کے عنعنہ کو ''اتفاقیہ'' قبولیت کا درجہ دینا چہ معنیٰ دارد؟

ہم اپنا موقف کسی پر مسلط نہیں کر سکتے، لیکن جسے حق سمجھتے ہیں اس کا اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتے، چنانچہ ہمارے نزدیک اس سلسلے میں سب سے محتاط رائے امام شافعی رحمہ اللہ کی ہے کہ ''ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته في روايته'' جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس نے ایک مرتبہ تدلیس کی ہے تو اس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کر دی۔

(الرسالة: ۱۰۳۳)

نیز امام الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا نقبل من مدلس حديثًا حتى يقول فيه: حدثني أو سمعت'' ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثني یا سمعت کہہ دے۔ (الرسالة: ۱۰۳۵)

یہی موقف جمہور محدثین کا ہے، جیسا کہ محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے فرمایا: ''چوتھا موقف یہ ہے کہ ثقہ مدلس ہو اس کی جب تک تحدیث ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ یہ موقف امام شافعی اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے اور اکثر اسی کو قبول کرتے ہیں۔'' (ضوابط الجرح والتعدیل ص ۸۴)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد اتفقوا علٰی أن المدلس لا یحتج بعنعنته." یعنی اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مدلس کا عنعنہ حجت نہیں۔ (شرح النووی علیٰ مسلم ۵/ ۵۸)

یہاں سرِ دست یہ بتانا مقصود ہے کہ جس نے بھی حماد بن ابی سلیمان کے عنعنہ کو بطور علت بیان کیا ہے اس نے کوئی "جرم" نہیں کیا بلکہ علماء و محدثین کا اسلوب ہی اختیار کیا ہے اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ طبقہ ثانیہ کے مدلسین کے عنعنہ پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ راقم الحروف مسئلہ تدلیس پر مفصل لکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت و نصرت سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اس موضوع کی مزید تفصیل وہیں ملاحظہ کی جا سکے گی۔ ان شاء اللہ

غلط فہمی: ہمارے ایک بھائی نے لکھا: "امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حماد کی عنعنہ قبول کرتے ہیں...... چنانچہ صحیح بخاری باب قراءۃ القرآن بعد الحدیث وغیرہ میں ابراہیم النخعی کا فرمان ذکر فرمایا: قال حماد عن إبراهیم ...... یعنی امام بخاری حماد کی عن کے باوجود اس اثر کو قال کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں قیل نہیں کہا گویا عند البخاری حماد کا عن مقبول ہے۔"

ازالہ: اصول حدیث میں خود ساختہ استدلال سے بچنے میں ہی عافیت ہے ورنہ کسی مسلم اصول کا انکار لازم آئے گا۔ اگر اس

بھائی کے استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں مسئلہ تدلیس کوئی شے نہیں اور آپ طبقہ ثانیہ کے علاوہ بھی تدلیس قبول کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "قال ابن جريج عن ابن شهاب......" (صحيح البخاري: ٥٣٠٩)

نیز فرمایا: "قال ابن جريج قال ابن شهاب' (حوالہ مذکورہ)

اسی طرح آپ نے فرمایا: "وقال مغيرة عن إبراهيم......"

(صحيح البخاري قبل حديث: ٢٥١١)

مغیرہ بن مقسم اور ابن جریج طبقہ ثالثہ کے ہیں اور انھیں کثیر التدلیس سمجھا جاتا ہے۔ اب کیا خیال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کے عنعنہ کو بھی قبول فرماتے تھے؟ إذ ليس فليس.

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی معتبر متابعت موجود ہوتی یا کسی دوسری جگہ سماع کی صراحت ہوتی تو آپ "قال" وغیرہ کے ذریعے سے بھی روایت بیان کر دیتے تھے، لیکن اس سے یہ اخذ کرنا کہ آپ کے نزدیک سرے سے وہ علت ہی ختم ہو جاتی تھی یا اسے علت ہی نہیں سمجھتے تھے بالکل غلط ہے۔

غلط فہمی: ایک غلط فہمی ہمارے بھائی کو یہ ہوئی کہ "حماد عن ابراہیم کی روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا اور حافظ ذہبی نے موافقت کی ہے،

علاوہ ازیں امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، لہٰذا ان سب کے نزدیک حماد وابراہیم کا عنعنہ مقبول ہے۔"

ازالہ: ہم اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے محدث العصر سید محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے امید واثق ہے کہ غلط فہمی جاتی رہے گی، ان شاء اللہ۔

راشدی صاحب لکھتے ہیں: "تیسرے درجے کے مدلس راوی کی روایت کے بارے میں عدم تصریح کی صورت میں اس طرح کہنا کہ یہ امام بخاری کی شرط پر ہے (کیونکہ شیخین میں امام بخاریؒ بھی آجاتے ہیں) اس سے زیادہ غلط بات کوئی نہیں ہوسکتی اور حاکم تو اس سے بھی زیادہ ضعیف احادیث کے بارے میں مستدرک میں لکھ گئے ہیں کہ صحیح علیٰ شرط الشیخین یعنی یہ حدیث صحیح اور شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر ہے۔"

نیز لکھتے ہیں: "حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں تدلیس والی علت کو کسی بھی جگہ ذکر نہیں کیا صرف رواۃ کی جرح پر ہی اکتفا کیا ہے وہ بھی ان رواۃ پر جو صحاح ستہ کی روایات کے ہیں۔......

دراصل حافظ ذہبی کے صنیع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اس روایت پر تنقید کی ہے جن میں کوئی راوی مجروح ہے یا بالفاظ دیگر حافظ صاحب کا یہ مقصد معلوم ہوا کہ جب کئی مقامات پر حاکم

مستدرک میں وضاع راویوں کی روایات کی تصحیح بھی کر گئے ہیں، لہٰذا ان مجروحین کی نشاندہی کی جائے۔ بس۔ ورنہ تدلیس خواہ انقطاع وغیرہ علتیں ہیں جو محدث حدیث کی تضعیف کے لیے بطور دلیل پیش کرتے رہے ہیں اور یقیناً حافظ ذہبی سے زیادہ کون محدثین کے مسلک سے واقف ہوگا۔'' (مقالات راشدیہ ۹/۴۴، ۴۵)

بعدازاں مذکورہ حوالے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں، تفصیل کا طالب وہاں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

تصحیح حدیث اور علل کے اعتبار سے ہم گزشتہ صفحات میں بھی مدلل وضاحت کر چکے ہیں، مزید براں راشدی رحمہ اللہ کا اقتباس پیش خدمت ہے۔ چنانچہ محدث محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حافظ صاحب والی مثال سے آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ابن القطان ایک حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اگرچہ ابن القطان کو متشدد لکھا جاتا ہے تاہم متأخرین میں سے حافظ ابن حجر اس کی تصحیح پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ معلول ہے کیونکہ اس میں مدلس راوی ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ سے سماع کی تصریح نہیں کی مطلب کہ ابن القطان سے اس وقت اس علت سے ذھول ہو گیا جس پر تنبیہ کرنے کی توفیق اللہ رب العالمین نے پھر حافظ صاحب کو دی آخر اس میں قباحت وشناعت کون سی ہے؟''

نیز لکھتے ہیں: ''ابن حبان اس روایت کو اپنی صحیح میں لائے ہیں ناظرین کرام غور فرمائیں کہ جس صورت میں یہ روایت ضعیف ہے اور ضعف کی علتیں نمایاں ہیں تو اس صورت میں ابن حبان کا اس روایت کو اپنی صحیح میں لانا اس کا صحیح ہونا اہل علم کے نزدیک ہرگز حجت نہیں ہوسکتا۔ صحیح ابن حبان کی کئی روایات پر ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے اور ان کو معلول یا ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مقالات راشدیہ ۹/۵۲، ۵۳)

صحیح ابن خزیمہ کی روایت بھی، علل کی صورت میں اسی کیفیت سے دوچار ہوگی۔

ہمارے بھائی کا مذکورہ استدلال غلط فہمی یا علمی سہو سے بڑھ کر کچھ نہیں، لہٰذا یقیناً وہ اہل علم کی توضیح وتوجیہ سے دور ہو چکا ہوگا۔ ان شاءاللہ

غلط فہمی: ہمارے محترم لکھتے ہیں: ''اسی طرح امام ابن ابی حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سألت أبازرعة عن حديث حماد عن إبراهيم عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم رواه الثوري عن حماد عن إبراهيم عن أبي سعيد موقوفًا قال أبو زرعة: الصحيح موقوف عن أبي سعيد لأن الثوري أحفظ (العلل لإبن أبي حاتم: ۱۱۱۸) یہاں ابوزرعہ رحمہ اللہ نے حماد کی عنعنہ کے باوجود اس کے

موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے اور ظاہر بات ہے علل حدیث کے بارے میں بات ہو رہی ہے اگر آج کے دور کی وضع کردہ یہ علت قادحہ ہوتی تو ابوزرعہ یہاں ضرور وضاحت کرتے۔''

ازالہ: یہاں بھی ہمارے بھائی نے بغیر سوچے سمجھے استدلال کر ڈالا اور غصے کا اظہار بھی فرما دیا۔عرض یہ کہ آپ کا استدلال ناقص ہے، کیونکہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ امام موصوف کے پیش نظر دیگر شواہد و قرائن ہوں گے تبھی محض صحیح قرار دیا، اگر نہیں تو پھر یہ سہو ہے۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ سمیت جمہور محدثین کے نزدیک یہ طریق غیر ثابت ہی ہے، چنانچہ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''لم یلق إبراهيم النخعي أحدًا من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم إلا عائشة ولم يسمع منها شيئًا......''

(كتاب المراسيل لابن أبي حاتم ص٩ ، رقم: ٢١)

اور مذکورہ روایت إبراهيم عن أبي سعيد ہے۔اگر موصوف کا استدلال صحیح مانا جائے تو پھر ابراہیم کی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع بھی ماننا پڑے گا، جبکہ امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت کسی بھی محدث سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا، بلکہ سب کا فیصلہ اس کے برعکس ہی ہے۔جب إبراهيم عن أبي سعيد درست نہیں تو حماد عن إبراهيم کو کیونکر درست تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

باقی رہا موصوف کا یہ کہنا کہ ''اگر آج کے دور کی وضع کردہ یہ علت قادحہ ہوتی تو ابوزرعہ یہاں ضرور وضاحت کرتے۔'' تو عرض ہے کہ امام شافعی، خطیب بغدادی، حافظ ابن حبان وغیرہ جمہور محدثین آپ کو آج کے دور کے لگتے ہیں؟ یہ مت بھولیے کہ آپ کی پھبتی کی زد میں شیخ العرب والعجم بھی آجاتے ہیں جن کے نام سے آپ نے ''بدیع العلوم'' بنا رکھا ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی کے عنعنہ کو انھوں نے بھی بطور علت پیش کیا ہے، کما تقدم۔

غلط فہمی: موصوف لکھتے ہیں: ''امام ابن حجر وغیرہ نے جو اس کے مدلس ہونے کے لیے مثال پیش کی ہے اس میں حماد نے مغیرہ بن مقسم کو تدلیس کرتے ہوئے گرا دیا ہے اور مغیرہ ثقہ امام ہے یعنی وہ کبھی تدلیس بھی کرتا تھا تو ثقات سے کرتا تھا''

ازالہ: سبحان اللہ! ذہانت وفطانت کے کیا کہنے، جو مسئلہ ائمہ محدثین سے حل نہ ہو سکا ہمارے بھائی نے ایک ہی چٹکی میں کر دیا۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا: ''میری بڑی خواہش تھی کہ میں یہ جان سکوں، سب سے پہلے یہ روایت بیان کرنے والا کون ہے؟ لیکن میرے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا۔''

(آداب الشافعي ومناقبه لابن أبي حاتم ص١٦٨)

جبکہ موصوف نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا!!!

گزارش ہے کہ ہم یہ واقعہ سابقہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں اسے دوبارہ پڑھیے اور بار بار پڑھیے، پھر بتائیں کہ جو آپ نے لکھا اس میں کتنی صداقت ہے؟

غلط فہمی: محترم لکھتے ہیں: ’’معترضین سے سوال: جیسا کہ آپ کا خیال ہے کہ حماد کی عنعنہ ہر وقت مردود ہے تو جن محدثین نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے جیسا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور سفیان کی روایت حماد سے جسکو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی صحیح کہا ہے، وہ ساری روایات پیش کریں اور ان میں کوئی ایک بتائیں جس میں تصریح سماع ہو حماد کا ابراہیم سے......؟‘‘

ازالہ: یہ بالکل طفلانہ سوال ہے۔ عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں صرف عدم تخلیط کی بات ہو رہی ہے اور تدلیس کی علت برقرار ہے، کیونکہ حماد کی بہت سی روایات ابراہیم کے علاوہ بھی ہیں جنھیں سفیان الثوری، حماد سے بیان کرتے ہیں اور سماع کی صراحت بھی موجود ہے۔ آپ خواہ مخواہ ابراہیم کے ساتھ حماد کو لازم وملزوم نہ کریں۔ آپ کا یہ سوال خلط مبحث کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ اختلاط اور تدلیس میں فرق ہے۔

٭ ابراہیم النخعی مدلس ہیں

ابراہیم نخعی مدلس ہیں اور اس روایت میں انھوں نے سماع کی

تصریح نہیں کی، لہٰذا یہ روایت ان کے عنعنہ کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

اعمش کہتے ہیں: میں نے ابراہیم سے کہا: "إذا حدثني عن عبد اللّٰه، فأسند قال: إذا قلت: قال عبد الله فقد سمعته من غير واحد من أصحابه وإذا قلت: حدثني فلان فحدثني فلان" جب آپ مجھے عبداللہ سے حدیث بیان کرو تو مسند (متصل) کرو۔ انھوں نے کہا: جب میں "قال عبد الله" کہوں تو وہ میں نے ان کے کئی اصحاب سے سنا ہوتا ہے اور جب میں "حدثني فلانٌ فحدثني فلانٌ" کہوں (تو وہی سماع متحقق ہوتا ہے)۔

(الطبقات لإبن سعد ٦/ ٢٧٢ وسنده حسن)

"حدثني فلان" مطلق ہے اور امام موصوف نے یہ فرما کر خود وضاحت کر دی کہ میں سماع کی صراحت کروں تو سماع محقق ہوگا، بصورت دیگر نہیں۔

شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تیسری یہ ہے کہ ابراہیم نخعی مدلس ہے (كما لا يخفى على الماهر بالأصول)'

(مقالات راشدیہ ۳/ ۸۱)

مذکورہ بالا علل کی بنا پر زیر بحث روایت کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے جنھیں ہم ترتیب وار باحوالہ بیان کر چکے ہیں۔ والحمدللہ

اب اگر ان علل کی موجودگی میں اہل علم میں سے کوئی اس روایت کی تصحیح یا تحسین کرے تو وہ مقبول نہیں ہوگی، جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اس سلسلے کی کئی مثالیں بھی لکھ چکے ہیں۔

* دوسری روایت

عن أبي موسٰى قال: "صلينا مع رسول الله ﷺ علٰى جنازة فسلَّم عن يمينه وعن شماله".

(المعجم الأوسط للطبراني: ٤٤٧٠)

اس روایت کی سند میں ایک راوی خالد بن نافع الاشعری ضعیف ہے۔

۱: امام ابوزرعہ الرازی (متوفی ۲۶۴ھ) نے کہا: "ضعيف الحديث". (الجرح والتعديل ٣/ ٣٥٥)

۲: امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "ضعيف".

(الضعفاء والمتروكون: ١٦٩)

۳: امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "ليس بشيء"

(تاريخ ابن معين رواية ابن محرز ١/ ٦١)

۴: امام عبداللہ بن نمیر (متوفی ۱۱۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "ضعيف

الحديث". (تاريخ ابن معين، رواية ابن محرز، ٢/ ٢٢٧)

۵: امام ابوحاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "شيخ، ليس بقوي يكتب حديثه". (الجرح والتعديل ٣/ ٣٥٥)

٦: حافظ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "الضعفاء والمتروكون (١٠٩٢)" میں ذکر کیا ہے۔

۷: حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے "المغني في الضعفاء (١٨٨٥) اور ديوان الضعفاء (١٢٤٨)" میں ذکر کیا ہے۔

* امام ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ) کے نزدیک (الکامل ۲۹۰/۴) اور امام خطیب بغدادی رحمہما اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) کے نزدیک بھی (تاریخ بغداد ۲۳۴/۹) یہ ضعیف ہی ہے۔

علاوہ ازیں حافظ ابن القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ) ذخیرۃ الحفاظ (۲/ ۷۰۸) حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) لسان المیزان (۲/ ۳۸۸) احمد بن علی، تقی الدین المقریزی (متوفی ۸۴۵ھ) مختصر الکامل فی الضعفاء (۵۸۸) علامہ مقبل بن ہادی (متوفی ۱۴۲۲ھ) رجال الحاکم فی المستدرک (٦٩٨) الشیخ ابواسحاق الحوینی (نثل النبال بمعجم الرجال......۱/ ۵۴۵) اور علامہ ناصر الدین البانی (متوفی ۱۴۲۰ھ) رحمہم اللہ، وغیرہ سلسلہ ضعیفہ (۴۱۲/۱۴) کے نزدیک

بھی ضعیف ہی ہے۔

امام ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے حفظ پر بھی کلام کیا ہے۔

(تاریخ ابن معین ۲/ ۲۲۷)

ایسا ضعیف راوی تو ''ضعیف + ضعیف'' والوں کے ہاں بھی متابعت کے لائق نہیں، اور امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت کے بارے میں کیا خوب فرمایا: ''لیته یصحح نفسه، فکیف یصحح غیره''. یعنی کاش وہ بذات خود صحیح ہوتی، پھر (جو خود ضعیف ہو وہ) کسی دوسری کی تصحیح کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟

(سؤالات یزید بن الهیثم بن طهمان: ۵۸)

تیسری حدیث:

ابراہیم الہجری نے کہا: سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بیٹی کے جنازے پر ہماری امامت کرائی تو چار تکبریات کہیں، پھر کچھ دیر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ ہمیں محسوس ہوا کہ آپ پانچویں تکبیر بھی کہیں گے۔ بعدازاں دائیں اور بائیں طرف سلام پھیر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا اس پر کچھ بھی اضافہ نہیں کیا، یا (کہا:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقي: ۶۹۸۸)

یہ روایت بھی درج ذیل وجوہ کی وجہ سے ضعیف ہے:

۱: **محمد بن مسلمہ الواسطی:**

یہ متکلم فیہ ہے۔ اس پر شدید جروح کے لیے ملاحظہ کریں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف سلسلة الأحاديث الضعيفة (۲/ ۲۴۳) وغیرہ۔

۲: **شریک بن عبداللہ القاضی:**

یہ اگرچہ صدوق حسن الحدیث ہیں، لیکن مدلس اور مختلط بھی ہیں۔ یزید بن ہارون کا سماع شریک سے قبل از اختلاط ہے، البتہ مذکورہ روایت میں شریک نے سماع کی صراحت نہیں کی اور معلوم شد کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

* امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۵۶ھ) نے شریک القاضی کو "مشهور بتدليس المنكرات إلى الثقات" قرار دیا۔

(المحلى بالآثار ٤/ ٤٨)

* امام ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "شريك مع ذلك مشهور بالتدليس وهولم يذكر السماع فيه" (بيان الوهم والإيهام ٣/ ٥٣٤ رقم: ١٣١٤)

* محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ ایک روایت پر حکم بایں الفاظ

لگاتے ہیں: "إسناده ضعيف، لأن شريك القاضي مدلس كما فى التهذيب (ج ٤ ص ٣٣٧) وقد عنعنته".

(مسند السراج: ١٠٢٥)

اور ہماری زیرِ بحث روایت میں بھی شریک القاضی نے سماع کی صراحت نہیں کی اور روایت عن سے ہے، لہٰذا یہ روایت شریک القاضی کے عنعنہ کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

۳: ابراہیم الہجری:

یہ ایسا راوی ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر تقریباً تمام محدثین متفق ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب اسماء الرجال ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۴: اس روایت کی چوتھی علت جاننے کے لیے دیکھئے: ''فتاویٰ علمیہ (۱/۵۴۳)'' از محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ

۲) ایک طرف سلام پھیرنا اور اس کے دلائل

درج ذیل سطور میں نمازِ جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنے والوں کے دلائل بیان کیے جائیں گے اور اس سلسلے میں جو اعتراضات وشبہات وارد ہوتے ہیں ان کا ازالہ بھی کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت

میں ہے کہ "السُّنَّةُ فِی الصَّلاةِ عَلَی الْجَنَازَةِ أَنْ تُکَبِّرَ ثُمَّ تَقْرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ تُصَلِّيْ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ تُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْمَیِّتِ وَلَا تَقْرَأْ إِلَّا فِی التَّکْبِیرَةِ الْأُوْلٰی ثُمَّ تُسَلِّمَ فِيْ نَفْسِهِ عَنْ یَمِینِهِ" یعنی نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تو تکبیر کہے، پھر سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور (فاتحہ کی) قراءت صرف پہلی تکبیر میں ہی کرے، پھر اپنی دائیں طرف خفیہ (آہستہ سے) سلام پھیر دے۔ اسے امام ابن الجارود نے "المنتقیٰ" (۵۴۰) میں بیان کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

نماز جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرنے سے متعلق صحیح یا حسن لذاتہ اسناد کی روایات درج ذیل کتب میں بھی ہیں:

* فضل الصلاة علی النبي ﷺ للإمام إسماعیل ابن إسحاق (٩٤)
* مسند الشامیین للطبراني (٤/ ١٦٠ ح ٣٠٠٠)
* شرح معانی الآثار للطحاوي (١/ ٥٠٠ ح٢٨٦٨)
* المستدرك للحاکم (١/ ٣٦٠ ح ١٣٣١) امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: "نماز جنازہ میں ایک سلام کے متعلق اس سے زیادہ صحیح حدیث کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ: ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ صحابی صغیر ہیں اور ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ صحابی صغیر ہو یا کبیر مراسیل صحابہ حجت ہیں۔

اگر پھر بھی کوئی بضد ہو کہ صحابی صغیر کی مرسل حجت نہیں یا سرے سے وہ ابوامامہ سہل بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ہی کا منکر ہو تو عرض ہے کہ بعض روایات میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے "رجل یا رجال من أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: المستدرك للحاكم (١/ ٣٦٠)، الأوسط لابن المنذر (٥/ ٤٩٢) شرح معاني الآثار للطحاوي (١/ ٥٠٠) اور السنن الكبرٰی للبيهقي (٤/ ٤٠) وغیرہ۔

اصول حدیث میں یہ مسلم ہے کہ جب ثقہ تابعی "رجل من أصحاب رسول" سے بیان کرے گا تو وہ حدیث مقبول و حجت ہو گی، جبکہ ہماری زیر بحث حدیث میں تو ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں شرف صحابیت حاصل ہے۔

نماز جنازہ میں ایک سلام اور ہمارے اسلاف

✽ نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے تو رفع یدین کرتے، پھر تکبیر کہتے۔ جب (تکبیرات وغیرہ

سے) فارغ ہوتے تو اپنی دائیں جانب ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن أبي شيبة ٣/ ٣٠٧ ح ١١٤٩١ وسنده صحيح)

* امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ بھی نمازِ جنازہ میں ایک ہی سلام پھیرتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن أبي شيبة (٣/ ٣٠٨ ح ١١٥٠٦ وسنده صحيح)

* امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جنازے میں ایک سلام پھیرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة ٣/ ٣٠٧ ح ١١٤٩٦ وسنده صحيح)

* امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص نمازِ جنازہ میں دو سلام پھیرتا ہے وہ جاہل ہے، وہ جاہل ہے۔

(مسائل أبي داود ص ١٥٤ وسنده صحيح)

* امام ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی (متوفی ۲۹۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَعَامَّةُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ: تَسْلِيمَةٌ وَاحِدَةٌ ." یعنی امام عبداللہ بن مبارک اور عام اہلِ حدیث اسی کے قائل ہیں کہ جنازے میں صرف ایک ہی سلام ہے۔

(اختلاف العلماء ص ٦٤)

امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں تقریباً عام اہلِ حدیث کا اتفاق رہا ہے کہ جنازے میں ایک ہی سلام

ہے۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ جنازے میں دو سلام پھیرنے سے متعلق نہ تو کوئی مرفوع حدیث صحیح ہے اور نہ کسی صحابی کا ہی عمل ہے، بلکہ تابعین میں سے بھی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی تابعی سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابوامامہ (سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ) کی حدیث کی بنا پر مجھے ایک طرف ہی سلام پھیرنا پسند ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی پر (عمل پیرا) ہیں، اور وہ دوسروں سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں حاضر رہے اور انھوں نے آپ سے (طریقہ نماز) یاد کیا، ان میں سے جن سے بھی ہم نے روایت کی، وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ بلاشبہ (جنازے میں) ایک ہی سلام ہے اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک سلام پھیرنے سے وہ نماز سے فارغ ہو جائے گا۔

(الأوسط لابن المنذر ٥/ ٤٩٣، ٤٩٤)

گویا امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ میں ایک سلام پر اہل علم کا اجماع نقل کیا۔

الشیخ نوح عالم بن عبد الستار البخاری المدنی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"تمام ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں ایک سلام کا

پھیرنا واجب اور ضروری ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی، لیکن اختلاف صرف دو سلام کے جواز واستحباب میں ہے۔‘‘

(بغية أهل الحاجة ...... ص ٢٠)

ہماری تمام اُن اہل علم سے گزارش ہے جن کے نزدیک جنازے میں ایک سلام پھیرنا ثابت ہے کہ وہ اس سنت کے احیا کے لیے اقدام کریں، کیونکہ یہ سنت بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں مفقود ہو چکی ہے، نہ کہ اس سنتِ ثابتہ کے خلاف مناظرے ومجادلے کیے جائیں۔ یاد رہے سنت کے احیا سے فتنے ختم ہوتے ہیں نہ کہ وجود میں آتے ہیں۔ تدبر جدًا

تنبیہ: بعض لوگ خاص دلائل کے مقابلے میں عام دلائل سے استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اصول فقہ کا مسلم اصول ہے کہ خاص کے مقابلے میں عام سے استدلال جائز نہیں۔

راجح موقف: قارئین کرام! ہم نے دونوں طرف کے دلائل ذکر کیے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ جنازے میں ایک ہی سلام پھیرا جائے کیونکہ مرفوع احادیث، عمل صحابہ وتابعین اور جمہور اہل علم کا اتفاق، اسی بات کی دلیل ہے اور اس کے برعکس غیر ثابت روایات ہیں جو قابل حجت واستدلال نہیں۔

والله أعلم